سیرتِ انبیاءؑ کمالِ انسانیت

عبدالقدوس ہاشمی

اس دنیا میں ایک مسلسل حرکت جاری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز ایک راستہ پر چل رہی ہے، اس قانونِ حرکت سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ اور انسان بھی تو اسی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے وہ کیسے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ سب ہی آدمی زندگی کی اس راہ پر چلتے رہتے ہیں۔ پیدائش سے وفات تک راہِ زندگی کو طے کرنے کے بعد موت کے دروازے سے گزر کر عالمِ شہادت سے نکل جاتے ہیں اور عالمِ برزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کسی انسان نے اپنی زندگی میں اس راہ میں کیسی چال چلی اور کس طرح اپنی اس سیر کو پورا کیا۔ اس کیفیت کو ہم سیرت کہتے ہیں۔ لفظ سیرت کا مادہ "سیر" بمعنی چال ہے اسی لئے ہم اچھی چال چلن کو حسن السیرۃ بھی کہتے ہیں۔ اُردو بلکہ اس سے پہلے ہی عربی میں بھی لفظ سیرت اگر مخصوص نہیں تو زیادہ تر انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگانِ دین کے احوالِ زندگی کے لئے استعمال ہونے لگا تھا۔ عربی سے اس لفظ کو اسی معنی میں عبرانی، آرامی اور سریانی زبانوں میں بھی لے لیا گیا تھا۔ اور ان زبانوں میں بھی لفظ سیرۃ تقریباً اسی معنی کے لئے مستعمل تھا۔

ہم جب سیرۃ النبی کا لفظ بولتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے احوال و واقعات کو مقصود قرار دے رہے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ دوسرے انسان تو اپنی زندگی کی راہ کو جیسے بھی طے کرتے ہوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کی راہ کو اس طرح طے فرمایا۔ بالواسطہ یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ ایک سلیم الطبع آدمی اگر وہ چاہے کہ زندگی کی راہ کو کامیابی کے ساتھ اور اچھی طرح طے کرے تو چال چلن یعنی سیرت میں نبی کی اتباع کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیاتِ طیبہ انتہائی کامیاب وکامران زندگی تھی۔ اور انسانی زندگی کے لئے مکمل ترین نمونہ آپ کی زندگی میں مل جاتا ہے۔ آدمی کو اپنی زندگی میں طرح طرح کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر ہر قدم پر دوراہے بلکہ صدراہے آتے ہیں۔ ہر جگہ یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ قدم صحیح اور سیدھی راہ سے ہٹ کر دوسری راہوں پر نہ جا پڑے۔ اس طرح آدمی کو ہر ہر قدم پر رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہی رہتی ہے۔ اب یہ اُس کا کام ہے کہ یہ رہنمائی حاصل کرے، چاہے زعیموں، بادشاہوں، فلسفیوں اور ڈاکوؤں سے حاصل کرے چاہے نیکو کاروں اور نیک اندیشوں سے۔ مثلاً روزی تلاش کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ ہر جانور کرتا ہے۔ بلکہ پودے اور درخت بھی غذا تلاش کرتے ہیں۔ لیکن انسان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی اس تلاش کے لئے اچھے طریقوں کو اپنائے، یا چوروں، ڈاکوؤں اور جیب کتروں کے طریقے اختیار کرے۔ یہ اختیار ہر ذی ہوش آدمی کو حاصل ہے اور یہی بنیاد ہے ذمہ داری اور جواب دہی کی۔ قانون، شریعت اور معاشرتی ضوابط کی پابندیاں سب اسی اختیار سے وابستہ ہیں۔ بے ہوش، پاگل اور ناسمجھ بچوں پر نہ معاشرتی ضوابط کی پابندی عاید ہوتی ہے اور نہ قانون شریعت کی۔

اس طرح سیرتِ نبوی کا بیان چاہے تقریر میں ہو یا تحریر میں، ایک خاص مقصد کے ماتحت ہوتا ہے، صرف تاریخی واقعات کا بیان مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک دعوت ہوتی ہے زندگیوں کے سنوارنے، خوشی، اطمینان اور یقین کے ساتھ راہِ زندگی کو طے کرنے اور کامیابی کے ساتھ عمرِ دو روزہ کو بسر کرنے کی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس دعوت کو بار بار دہرایا جائے تاکہ غفلت ہمیں غلط راستہ پر نہ ڈال دے۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں ان کا اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جو ہم دوسروں سے سیکھتے ہیں اور یہ ایک عام طریقہ ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے اپنی زندگی کے لئے جو راہِ عمل متعین کی ہے وہ تمام تر خود اسی کے دماغ کی پیداوار ہے۔ بچے بڑوں سے سیکھتے ہیں۔ طلبہ استادوں سے سیکھتے ہیں اور بڑے اپنے دوستوں اور جلیسوں سے۔ اسی طرح یہ دنیا چل رہی ہے اور ایسی ہی چلتی رہے گی۔ دنیا میں کوئی نہیں ہے جس کو زندگی بسر کرنے میں اگلوں کی تعلیم اور ان کے تجربات زندگی سے رہنمائی حاصل کرنے کی کبھی ضرورت نہ پڑی ہو۔ انفرادی زندگی میں اس کی ضرورت

پڑتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ گھریلو زندگی میں بھی ہم بارہا اس صورتِ حال سے دوچار ہوتے ہیں اور بیرونی زندگی میں بھی ہم دوسروں کے احوال سے سبق لیتے ہیں۔

اب اگر صورتِ حال ایسی ہی ہے اور دنیا ایسی ہی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم زندگی کے لئے اعلیٰ، بے داغ اور کامیاب نمونہ کہاں سے حاصل کریں۔ یوں تو ہمارے گرد و پیش خود ہماری آنکھوں کے سامنے سینکڑوں زندگیاں ہیں جنہیں کسی نہ کسی پہلو سے کامیاب اور خوش حال زندگی کہا جا سکتا ہے لیکن ذرا غور سے دیکھئے، اوّل تو یہ نظر آئے گا کہ وہ زندگی کے محض ایک رُخ سے کامیاب ہیں۔ دوسرے رُخ اُن کی زندگی کے ناکام ہی نہیں بلکہ دردناک اور قابلِ نفرت و حقارت ہیں۔ ایسے کہ ان کی وجہ سے اُن کی زندگیوں میں خوش گوار لمحات بہت ہی کم آئے اور ساری زندگی ہی بے اطمینانی، خوف اور پریشانیوں میں بسر ہو گئی، مر گئے اور مرنا تو بہرحال سب ہی کو ہے لیکن کس بُری حالت میں مرے۔ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ایک بیرسٹر صاحب کو میں نے دیکھا۔ ستر سال سے زیادہ عمر پائی۔ حلال و حرام کی قید سے بے نیاز ہو کر دولت جمع کی۔ سیاسیات میں داخل ہوئے۔ بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کیا۔ رشوت اور حرام مال حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ساری عمر اس خوف میں زندگی بسر کی کہ اُن کے اعمال سے واقف ہو کر لوگ اُن کے خلاف نہ ہو جائیں۔ خدا کا خوف تو کبھی دل میں آنے نہ دیا لیکن انسانوں کے خوف سے زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہ رہا۔ ایک وقت وہ آیا کہ سیاسی عہدوں سے بُری طرح نکالے گئے۔ صحت خراب ہو گئی۔ دولت کی کیا کمی تھی۔ علاج پر پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مرنے سے پہلے مفلس و قلاش ہو گئے۔ پہلے دولت حاصل کرنے کے لئے صحت برباد کی اور اس کے بعد صحت حاصل کرنے کے لئے روپیہ برباد کیا۔ جمع و خرچ برابر ہو کر باقی صفر رہ گیا۔ اسی حالت میں موت آ گئی۔ لوگوں نے چندہ کر کے تجہیز و تکفین کر دی۔ اس طرح زندگی ختم ہو گئی اور دوسروں کے لئے عبرت کا سامان مہیا کر گئی۔

ایک تاجر کو دیکھا، لاکھوں میں کھیلے، رات رات بھر محنت کی۔ چور بازاری، سٹہ، جوا، حق تلفی کوئی راستہ روپیہ کمانے کا نہ چھوڑا۔ بیوی بچوں کو ہمیشہ اُن سے عدم توجہی کی شکایت رہی اور دوستوں کو ہمیشہ خود غرضی اور حرص کا شکوہ۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایک بار مجھ سے ملاقات ہوئی،

بڑے پریشان اور روئے روئے سے تھے ۔ خطرہ تھا کہ مارشل لا کے بعد انھیں گرفتار ہو کر اپنی دولت کا حساب نہ دینا پڑے ۔ دنوں کا چین رخصت اور راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی ۔ رنگ پیلا پڑ گیا تھا ۔ چھپے چھپے پھرتے تھے ، مجھے اتفاق سے ایک جگہ مل گئے ۔ وجہ تو نہ بتائی ، صرف اتنا کہا کہ آج کل میں بہت پریشان ہوں ، رات کی نیند جاتی رہی ہے اور صحت جسمانی خراب ہو رہی ہے ۔ میں نے کاغذ کے ایک پُرزہ پر انھیں یہ چار مصرعے لکھ کر دے دیئے ۔

زر کے لئے جہان میں کیا پیچ و تاب ہے ۔۔۔ سوچا کبھی کہ حشر میں دینا حساب ہے

روزِ جزا کو بھول گئے بھی تو کیا ملا ۔۔۔ حاکم کے ڈر سے آپ کا سینہ کباب ہے

معلوم نہیں کہ مارشل لا کے ہاتھوں اُن پر کیا گزری ۔ سُنا ہے کہ قلب کی حرکت بند ہو گئی اور دنیا سے رخصت ہو گئے ۔ ذرا اپنے حافظہ پر زور دیجئے آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے اور ان کی زندگیوں کے اختتام کو بھی دیکھا ہے ۔ ایک دو نہیں ، بہت سی مثالیں آپ کو خود اپنی یادداشتوں میں مل جائیں گی زندگی کی کامیابی صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی تگ و دو کر کے بہت سی دولت کمائے یا بہت بڑی شہرت حاصل کرے ، یہ سب زندگی کے ایک نہ ایک رُخ ہیں ۔ یہ تمام تر زندگی نہیں ہے ۔ ایک یا دوسرے رُخ سے کامیابی اور وہ بھی کسی حد تک کامیابی نہ انسان کو اطمینان دے سکتی ہے اور نہ خوش گوار مستقبل کی بشارت بن سکتی ہے ۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ہر انسان مطمئن اور خوشگوار زندگی بسر کرنا چاہتا ہے ایسی زندگی جس کے لئے حضرت سعدی شیرازی رحمہ اللہ نے اپنے اس بے مثال قطعہ میں نصیحت کی ہے ؎

یاد داری کہ وقت زادن تو ۔۔۔ ہمہ خنداں بدند و تو گریان

آں چناں کن کہ وقت مردن تو ۔۔۔ ہمہ گریان بوند و تو خندان

(کیا تمہیں یاد ہے کہ جب تم پیدا ہوئے تھے تو اُس وقت لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے ، مگر تم پیدا ہو کر رو رہے تھے ، اب اپنی زندگی میں ایسے کام کرو کہ تمہاری موت کے وقت لوگ تم جیسے مفید اور ہمدرد خلائق کی موت پر رو رہے ہوں اور تم اپنی آخرت کے بخیر ہونے اور اُخروی نعمتوں کے حصول کا یقین رکھنے کی وجہ سے خوش اور خنداں ہو ۔)

مرحوم علامہ اقبال نے سعدی شیرازی کے آخری مصرعہ کی ترجمانی اس طرح کی ہے ؏

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ۔۔۔ چو مرگ آمد تبسم بر لبِ اوست

(مردِ مومن کی علامت میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔ وہ علامت یہ ہے کہ جب اس کی موت آئے تو اس کے لبوں پر تبسم ہو۔)

موت بہر حال آ کے رہے گی مردِ مومن کو بھی اور مردِ کافر کو بھی۔ مردِ مومن اپنے یقین اور عمل کی بنا پر متبسم ہے کہ موت کے بعد اُسے بہتر، اعلیٰ اور آرام دہ زندگی مل رہی ہے۔ دنیا کی قید و بند سے چھوٹا، دکھ درد سب ختم ہوئے۔ اب آئندہ خوشی، اطمینان اور جناتِ نعیم ہی ہے اور مردِ کافر کو غم ہے کہ دنیا چھوٹی، دولتِ دنیا چھوٹی، اولاد چھوٹی، احباب چھوٹے اور یہ بھی تو یقینی طور پر نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد بھی اور کچھ ہے یا اب آگے کچھ نہیں۔ اے کاش کہ یہی یقینی طور پر معلوم ہوتا کہ آگے کچھ نہیں، کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد اپنی کرنی کا جواب دینا پڑے گا۔ اگر یہی ہوا تو عمر بھر دھن کی پوجا کی، من کی سیوا کی، نہ کماتے میں کبھی حلال و حرام کی پرواہ کی اور نہ خرچ کرنے میں۔ اب کیا ہو سکتا۔ اچھے دن بیت گئے۔ موت نے آخر پکڑ ہی لیا۔

اس ذہنی کیفیت کے ساتھ دنیا کا چھوڑنا کتنا مشکل کام ہے یہی دنیا مومن اور کافر کے لئے کیسی دو مختلف چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ شاید حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں ان ہی دونوں صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد ہے:۔

الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر۔ ۔۔۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ جب تک دنیا میں رہیں خوش اور مطمئن رہیں اور جب یہاں سے رخصت ہوں تو خوش اور مطمئن رخصت ہوں تو ہمیں اپنی زندگی کو یقین اور عمل کے اعتبار سے ایک منظم و مربوط شکل دینی پڑے گی۔ ورنہ ہمیں خوشگوار زندگی اور خوش آیند موت دونوں ہی سے محروم رہنا پڑے گا رہا مابعد الموت کا معاملہ تو وہ جیسا کچھ ہوگا ظاہر ہے۔

آدمی جو کچھ بہ درستگی ہوش و حواس کرتا ہے اس کے پیچھے ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کے پیچھے یقین۔ کسی ذی ہوش آدمی کا ارادی عمل بغیر یقین کے نہیں ہوتا۔ یقین ہی سے ارادہ پیدا ہوتا ہے جو ہمارے قوائے عملیہ کو حرکت دیتا ہے اور عمل وجود میں آتا ہے۔ عمل بلا ارادہ اور ارادہ بلا یقین شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے اور جہاں پایا جاتا ہے وہ بھول چوک، غفلت اور

کبھی کبھی نفاق کی کارستانی ہوتی ہے۔جس کے ساتھ دلی اطمینان اور سکینتِ قلبی نہیں ہوتی۔

اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر دیکھئے کہ ہمارے لئے کس کی سیرت رہنما ہو سکتی ہے اور کس کی زندگی میں ہمیں ایسا نمونہ ملتا ہے جس کے بموجب اپنی زندگی کو ڈھال کر ہم کمال زندگی کو حاصل کر سکتے ہیں۔جس طرح ہمیں اپنے معاصرین کی زندگیوں کو معلوم کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔اسی طرح تاریخ کے ذریعہ ہمیں زمانۂ ماقبل کی بھی ہزاروں ہی زندگیوں کا حال معلوم ہے۔سینکڑوں زعماء ہزاروں ہی بادشاہ، سینکڑوں فاتحین اور بیسیوں فلسفیوں کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ان پہ غور کیجئے، تھوڑی سی کاوش سے آپ پر یہ صداقت روشن ہو جائے گی کہ ان میں سے کوئی زندگی آدمی کے لئے نمونہ کا کام نہیں دے سکتی۔تفصیل کے ساتھ اگر ان سب پر بحث کی جائے تو بات طوالانی ہو جائے گی اور بات میں بات نکلتی جائے گی۔اور اس بحث کی ضرورت ہی کیا ہے۔ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے کہ ؛۔

بڑے سے بڑے زعیم یا قائد کی زندگی زیادہ سے زیادہ کسی ایک رُخ سے کامیاب کہی جا سکتی ہے۔زندگی کے تمام پہلو کامیاب نہیں ہوتے۔اور اکثر میں تو خود اپنے ہی افکار پر یقین کا فقدان نظر آتا ہے۔

بادشاہوں کی زندگیاں جس خود غرضی اور خود نمائی اور دوسروں کی تحقیر کے افکار سے آلودہ ہوتی ہیں۔ ہر اُس شخص پر روشن ہے جو تاریخ کے صفحات پر نظر رکھتا ہے۔

فاتحین کی زندگیوں میں بنی نوعِ انسانی کی تذلیل، جلب منافع اور مسلسل حرص و آز کے سوا کچھ نہیں ملتا۔اس پر مزید یہ کہ ان کی گھریلو زندگی کبھی خوشگوار نہیں ہوتی۔سکندرِ اعظم اور نپولین بونا پارٹ کے افسانوں پر غور کیجئے۔

فلسفیوں کی زندگیاں تضاد، تغافل اور شک بالائے شک کا نمونہ ہوتی ہیں۔ان میں سے ہر ایک اپنے پیش رَو کی پوری قوت کے ساتھ تردید کرتا ہے اور جب خود اپنی بات پیش کرتا ہے تو اس میں شک اور ظن کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔بلکہ اس کی تعلیم دیتا ہے کہ کبھی کسی بات کا یقین نہ کیا جائے۔اس کے عمل میں اور اس کی تعلیم میں سینکڑوں ناممکنات کے علاوہ باہمی جنگ کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ وہ ایک فرضی انسان اور ایک محض فرضی دنیا کا دلفریب نقشہ اپنے ذہن میں تیار

کر کے ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ ایسا نقشہ جس کے حقیقی اور واقعی ہونے کا تصور بھی خود اس کے حاشیۂ خیال میں نہیں آتا۔ مثال کے لئے افلاطون، ارسطو اور ابو نصر فارابی کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لیجئے۔

اس کے برخلاف انبیائے کرام کی زندگیوں کو دیکھئے۔ جو کہتے ہیں اُس پر یقین رکھتے ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ وہ کبھی کوئی حکم اپنے متبعین کو نہیں دیتے جس پر پہلے خود نہ عمل کرتے ہوں۔ ان کا یقین یقینِ محکم ہوتا ہے جس میں شک اور ششش و پنج کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہ کوئی فرضی اور خواب کی دُنیا کا نقشہ نہیں پیش کرتے، وہ جو کچھ کہتے ہیں پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں پورے عزم و ارادے کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ کبھی کسی کو ناممکن بات کا حکم نہیں دیتے۔ وہ آدمی کو اُس کی صلاحیت اور قوت کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ وہ فاتح بھی ہوتے ہیں مگر خود غرض فاتح نہیں ہوتے، وہ بادشاہی اختیارات بھی استعمال کرتے ہیں مگر اپنے آپ کو مطلق العنان نہیں بلکہ آسمان و زمین کے بادشاہ مطلق خالقِ ارض و سماء کے احکام کا فرمان بردار بنا کر اور حقیقتہً اُن کی حکمرانی محض احکام خداوندی کی تبلیغ اور ان ہی احکام کی تعمیل کی حد تک محدود ہوتی ہے۔ وہ اپنی انفرادی، عائلی اور اجتماعی زندگی میں خداوند تعالیٰ کی مرضی کا مظہر اور اس کی عملی صورت ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اپنے متبعین کے لئے رہنمائی کا چراغ ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے لئے رہنما اصول بتاتے ہیں اور اُن پر عمل کر کے دکھاتے ہیں، وہ بے عمل فلسفی کی طرح باتیں نہیں بناتے۔ وہ اگر خدا سے ڈرنے کو کہتے ہیں تو خود اپنے آپ کو خوفِ الٰہی کا نمونہ بنا کر دکھا دیتے ہیں۔ وہ اگر خدا کی مخلوق سے محبت کا درس دیتے ہیں تو اپنی ساری زندگی پر اس جذبۂ محبت کو طاری و ساری کر کے نمونہ بن جاتے ہیں۔ وہ کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتے جو منطقی استدلال کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو، وہ جو کچھ کہتے ہیں پورے یقین کے ساتھ اُس بصیرت کی بنا پر کہتے ہیں جو خدا نے انہیں فریضۂ پیغمبری کی بجاآوری کے لئے عطا کی ہے۔ ہر شک و شبہ سے بالاتر، ہر گو مگو سے بلند اور ہر ششش و پنج سے مبرّا۔

انبیاء رسول اللہ سے پہلے بھی بہت سے ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کی سیرتیں محفوظ کہاں

ہیں؟ حتیٰ کہ ایک لفظ بھی اس وحی ربانی کا موجود نہیں جو اُن حضرات انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس لئے اب اگر کوئی آدمی اپنی سیرت و کردار کو سنوارنے کے لئے کسی نبی کا نمونہ تلاش کرنا چاہے تو اللہ کے آخری نبی خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے سوا کوئی دوسرا نمونہ نہیں مل سکتا۔ اُن پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بعینہٖ موجود ہے، اور اُن کی سیرتِ طیبہ کا سرمایہ بہ تمام و کمال موجود ہے۔ کوئی مسلم ہو یا غیر مسلم اگر ایک انتہائی کامیاب زندگی اور مکمل ترین انسان کا نمونہ دیکھنا چاہے تو اُسے قرآن مجید اور سیرت طیبہ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اسے وہ سب کچھ مل جائے گا جس کی ایک سلیم الطبع آدمی کو مطمئن اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے سلسلہ میں ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔

وہ سیرت طیبہ میں ایک نبی برحق کو دیکھے گا۔ ایک وفادار دوست کو دیکھے گا۔ وہ ایک بہترین سردار کو پائے گا۔ وہ ایک کامیاب سپہ سالار سے ملے گا۔ ایک انصاف پرور حاکم کو دیکھے گا وہ ایک اعلیٰ درجہ کے منتظم اور سربراہِ مملکت سے ملے گا۔ ہاں! اور وہ اسی کے ساتھ ساتھ صبر، قناعت، تقویٰ، طہارت، ذکاوت، شجاعت اور توکل کے بھی اعلیٰ ترین نمونے دیکھ سکے گا۔ وہ عبادت، محبت، مشقت، مودت، مروّت اور عفو کے صحیح معانی صرف سیرتِ طیبہ ہی کے ذریعہ سمجھ سکے گا۔ یہاں اُس کو ہر خوبی اپنے کمال پر نظر آئے گی۔

اسی لئے ہم ساری دنیا کو سیرتِ طیبہ کے پڑھنے اور بار بار پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔